ترجمہ :- رئیس احمد جعفری

جلیانوالہ باغ

(گذشتہ سے پیوستہ)

مارشل لاء

امرت سر کے نہتے شہریوں پر گولی چلانے اور انھیں خاک و خون میں تڑپانے کے بعد بھی، خون آشام ڈائر کو تسلی نہیں ہوئی۔

وہ ابھی اور ظلم توڑنا چاہتا تھا۔

اس نے تلوار میان میں کر لی تھی، لیکن کوڑا اس کے ہاتھ میں تھا۔

وہ کوڑے سے تلوار کا کام لینا چاہتا تھا۔

یوں تو جلیانوالہ باغ کے المیہ کی اطلاع لاہور فوراً ہی پہنچ گئی تھی لیکن ۱۴ اپریل کو مسٹر وتیھن (MR. Waythen) پرنسپل خالصہ کالج امرت سر، اور مسٹر جیکب آئی سی ایس ڈپٹی کمشنر امرت سر کا خط لے کر لاہور وارد ہوئے، سر اوڈائر اور مسٹر کیچن نے ساتھ ساتھ وفورِ اشتیاق سے بے بس ہو کر اسے پڑھا، مسٹر اورنگ نے لکھا تھا:-

حکم امتناعی کے باوجود جلیاں والا باغ میں جلسۂ عام کا اعلان کیا گیا۔ جنرل ڈائر نے کہا، میں اس جلسے میں جاؤں گا۔ میرا خیال تھا، اول تو یہ جلسہ ہو گا نہیں، اور اگر ہوا بھی تو آسانی سے منتشر ہو جائے گا۔ لہٰذا میں جنرل سے اجازت لے کر قلعہ چلا گیا۔ وہاں مجھے کچھ دیر بعد پتہ چلا کہ جلسے میں پانچ ہزار سے زیادہ لوگ موجود تھے۔ اور بغیر کسی انتباہ کے فوج نے بے تحاشا گولی چلائی جس کا

سلسلہ دس منٹ تک جاری رہا، اور تقریباً دو سو آدمی ہلاک ہوئے، مجھے افسوس ہے کہ میں موقع واردات پر موجود نہ تھا لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجمع کو منتشر کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ سختی کی گئی، اس کارروائی کا میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔

پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر نے جنرل ڈائر کے اس اقدام پر کسی طرح کا اظہار خیال نہیں کیا لیکن ہنٹر کمیٹی کے سامنے انھوں نے کہا:۔

> یہ موقع بحث و اعتراض کا نہ تھا، میں نے جنرل ڈائر کے اقدام کو سراہا۔ اس طرح انھوں نے نہ صرف امرت سر کو باغیوں سے بچا لیا تھا بلکہ نواحات کی بغاوت بھی فرو کر دی تھی۔

۱۳ اپریل کو جنرل بینن (Beynon) اور چیف جسٹس ہائی کورٹ سر ہنری رٹیگین (Sir Henry Rattigan) سے مشورہ کرنے کے بعد لفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اوڈائر نے حکومت ہند سے بذریعہ وائرلیس مارشل لا نافذ کرنے کی اجازت طلب کی جو فوراً دے دی گئی۔ اور پنجاب میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔

۱۹۲۴ء میں سر مائیکل اوڈائر نے انکشاف کیا کہ ۱۲ اپریل ۱۹۱۹ء کو شملہ سے وزارتِ داخلہ کے ایک ذمہ دار افسر نے فون پر ان سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اگر فائرنگ کرنا ہی پڑی تو وہ مثالی ہوگی"

گوجرانوالہ کے حالات بھی امرت سر کی طرح قابو سے باہر ہو گئے۔ مگر فوج اتنی تعداد میں نہ تھی کہ بھیجی جا سکتی۔ چنانچہ طے یہ ہوا کہ تین طیارے بھیجے جائیں۔ اور یہ شورش پسندوں پر مشین گن چلائیں، بمباری صرف اس وقت کی جائے جب ناگزیر ہو جائے۔

کیپٹن کاربری (Carberry) پہلا طیارہ لے کر اڑے انھوں نے ایک مجمع پر دو بم پھینکے، پھر نیچی پرواز کرتے ہوئے مشین گن چلائی۔

ہلاک شدگان میں ایک عورت بھی تھی اور ایک بچہ بھی، کچھ آدمی زخمی بھی ہوئے۔

ہنٹر کمیٹی نے اس ساری کارروائی کو جائز قرار دیا، کیونکہ انگریزوں کی جان بچانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی۔

۱۶ اپریل کے بعد نہ کوئی بلوہ ہوا، نہ کہیں فائرنگ کی گئی۔ جلیاں والہ باغ کے واقعہ نے ساری شورش ختم کر دی تھی۔

ہنٹر کمیٹی کے سامنے گواہی دیتے ہوئے، سر مائیکل اوڈوائر لفٹیننٹ گورنر[ل۵] نے کہا:۔

"یہ بات بغیر کسی تامل اور تذبذب کے میں کہہ سکتا ہوں کہ جنرل ڈائر کا یہ اقدام ——

جلیاں والا باغ میں فائرنگ ——

بغاوت (اور غدر کو بھی) کچلنے میں فیصلہ کن ثابت ہوا"۔

ورنہ نہ جانے کیا ہو جاتا!

مارشل لا میں لوگوں پر کیا گذری

اب امرت سر میں مارشل لا نافذ تھا۔

فوجی راج!

ل۵ اس وقت تک قاعدہ یہ تھا کہ صرف پریسیڈنسی کا حاکم اعلیٰ گورنر کہلاتا تھا۔ باقی صوبوں کے حکمرانوں کو "لفٹیننٹ گورنر" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ پریسیڈنسی چار تھیں سارے ہندوستان میں۔

(۱) برما

(۲) بنگال

(۳) بمبئی

(۴) مدراس

برما اس وقت تک متحدہ ہندوستان میں شامل تھا۔ (مترجم)

انگریزی فوج کا راج!

اس راج میں وہ رہی سہی کسر بھی پوری کر لی گئی جو فائرنگ کے وقت باقی رہ گئی تھی!

جوشِ انتقام عروج پر تھا۔

اور انتقام لینے کا بہترین طریقہ تھا مارشل لا۔"

۱۵ اپریل سے امرت سر میں مارشل لا نافذ ہو گیا۔ جنرل ڈائر ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے۔ ہنٹر کمیٹی نے سخت الفاظ میں جنرل ڈائر کے اس حکم پر تنقید کی ہے جس کی رو سے ایک خاص گلی میں لوگوں کو رینگ کر چلنا پڑتا تھا۔

جنرل ڈائر نے ایک حکم صادر کیا تھا کہ کوچہ کو رہیاں والا بند کر دیا جائے۔ جہاں مس شیر وڈ کو ایک مجمع نے بری طرح زد و کوب کیا تھا۔ اور جب انھوں نے پناہ لینے کے لیے ایک گھر میں داخل ہونا چاہا تو اس کے دروازے بند کر دیے گئے اور کسی نے ان کی مدد نہ کی۔

یہاں ایک ٹکٹھراان لوگوں کے لیے بنایا گیا جنھیں سزائے تازیانہ دینا تھی، اور جو اس حادثے کے ذمہ دار تھے۔ فوجی پہرہ گلی کی ہر نکڑ پر لگا دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ جو یہاں سے گذرنا چاہے، وہ رینگ کر گذرے، چند روز بعد لفٹیننٹ گورنر کی مداخلت پر یہ حکم واپس لے لیا گیا۔ اس عرصے میں چالیس پچاس آدمی یہ ننگ گوارا کر چکے تھے۔

کانگریس کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کنہیا لال نے کہا:۔

مجھے بندوق کے کندے مار مار کر پیٹ کے بل پر رینگنے پر مجبور کیا گیا، میں سانس لینے کے لیے رک جاتا تو پھر پٹائی ہوتی۔ بوڑھوں اور اندھوں اور اپاہجوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا بھنگیوں نے آنا چھوڑ دیا تھا۔ لہٰذا یہ گلی گندگی کا پٹارا بن گئی تھی یہاں کے رہنے والے لوگ ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کے لیے بھی باہر نہیں جا سکتے تھے۔

ڈائر کے اس فعل کو وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ نے بھی سخت ناپسند کیا تھا۔ اور حکومت ہند

نے اسے "نامناسب" قرار دیا تھا۔

لاہور اور امرتسر وغیرہ کے یورپین یقین رکھتے تھے کہ ان کے قتلِ عام میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ وہ صرف جنرل ڈائر تھا جس نے اپنے بروقت اقدام سے انھیں بچا لیا۔

اور یہی وجہ تھی کہ فرنگی سامراج کے مداحوں نے فرنگیوں سے زیادہ جنرل ڈائر کو سراہا اور مانا!

جنرل ڈائر سے سکھوں کی عقیدت

یہ عجیب و غریب تاریخی حقیقت عبرت ناک بھی ہے اور سبق آموز بھی کہ سب سے زیادہ نقصان انگریزوں نے سکھوں کو پہنچایا لیکن سکھ ہمیشہ ان کے عقیدت کیش، نیاز مند اور فدائی بنے رہے۔

مسٹر RUPERT FURNEAUX نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:۔

جنرل ڈائر نے سکھوں کو اپنا اتنا زیادہ گرویدہ بنا لیا تھا کہ گولڈن ٹمپل میں اس کے لیے ایک خاص تقریب منعقد کی گئی اور اس سے درخواست کی گئی کہ وہ سکھ مذہب قبول کرے لیکن اس نے کہا کہ نہ میں بال بڑھا سکتا ہوں اور نہ تمباکو نوشی ترک کر سکتا ہوں، اسے ان قیود سے بھی مستثنیٰ کر دیا گیا، اس نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور خاموش ہو گیا۔

بعد میں جب حکومتِ ہند اور حکومت افغانستان کے مابین جنگ کا امکان پیدا ہوا تو بعض سکھ لیڈروں کی طرف سے دس ہزار سکھ سپاہیوں کی اس شرط کے ساتھ پیش کش کی گئی کہ ان کا سپہ سالار جنرل ڈائر ہو!"

کہیں ڈائر سے سکھوں کی یہ عقیدت مسلم دشمنی پر تو مبنی نہیں تھی!

قصور ڈھونڈ کے پیدا کیے جفا کے لیے

حقیقت اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ ڈائر نے جور و ستم، سفاکی، اور خون آشامی، درندگی اور بہیمیت کا مظاہرہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اس نے دنیا کو بتا دیا کہ انسان جب جامۂ انسانیت اتار دیتا ہے تو وہ درندوں سے کہیں زیادہ آگے بڑھ جاتا ہے۔

بلکہ درندے بھی اس سے شرمانے لگتے ہیں۔

بہرحال بلوہ، بغاوت، شورش جو کچھ بھی نام رکھا جائے ختم ہو گئی، بلکہ کچل دی گئی لیکن ابھی خطا کاروں کو سزا دینے کا کام باقی تھا۔

کانگریس سب کمیٹی کے سامنے جو بیانات دیئے گئے، ممکن ہے وہ مبالغہ آمیز ہوں، اس لیے کہ وہ حد درجہ سفاکانہ مظالم کی نشان دہی کرتے ہیں۔

لیکن خود ہنٹر کمیٹی نے اسے تسلیم کیا ہے کہ مارشل لاء حکام نے نہایت نامناسب، غیرانسانی اور وحشیانہ طریقے استعمال کیے۔ یہ کوئی دشمن ملک نہ تھا جسے فتح کیا گیا ہو۔ اپنا مقبوضہ تھا۔ یہاں مارشل لاء کا استعمال اس طرح ہونا چاہیئے تھا کہ کم سے کم تلخی اس کے بعد باقی رہتی۔

سزائے تازیانہ کی تفصیل جو مارشل لاء کے تحت دی گئی یہ ہے :-

لاہور	۸۰
قصور	۸۵
گوجرانوالہ	۴۰
گجرات	۳۲
امرت سر	۳۸

شروع شروع میں سزائے تازیانہ مجمع عام میں دی جاتی تھی لیکن وائسرائے کی مداخلت سے بند کر دی گئی۔

۵۸۱ لوگوں پر بغاوت کے الزام میں لاہور میں مقدمہ چلا، ۱۰۸ کو موت کی سزا ملی، ۲۶۵ کو حبسِ دوام بعبور دریائے شور کا حکم ہوا، ۵ کو دس سال کی سزا دی گئی، ۸۵ کو سات سال کی باقی کو مختلف مختصر میعادوں کی، صوبائی حکومت نے ۲۳ لوگوں کی سزائے موت بحال رکھی۔ باقی کی

سزائیں تخفیف کر دیں جو کالے پانی سے لے کر پانچ سال تک کی سزا تھی۔

۱۹۱۹ء کے آخر میں بادشاہ کی طرف سے عفوِ عام کا اعلان ہوا جس کے باعث بہت سے لوگ رہا کر دیئے گئے کئی مارشل لا افسروں پر ہنٹر کمیٹی نے ان کے ظالمانہ رویہ کے خلاف سخت تنقید کی۔

قصور کے ایک سکول کے طلبا پریڈ کر رہے تھے، انھیں اس طرح سزائے تازیانہ دی گئی کہ ان میں سے چھ لڑکے جو بڑے ہوں چُن لیے جائیں، اور انھیں بید مارے جائیں۔

ایک ہیڈ مین کو ایک درخت سے باندھ کر پندرہ کوڑے اس لیے مارے گئے کہ اس نے ٹیلیگراف تار کاٹنے کی اطلاع سرکار کو کیوں نہیں دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جہاں یہ واقعہ ہوا تھا یہ ہیڈ مین وہاں کا سرے سے تھا ہی نہیں۔

جن لوگوں کے مکانوں کی دیواروں پر مارشل لا سے متعلق لاہور میں اعلانات چسپاں کیے گئے یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ شب و روز چوکس ہو کے دیکھتے رہیں کہ انھیں کوئی نوچتا یا پھاڑتا تو نہیں ہے؟ بصورت دیگر انھیں ذلت آمیز سزائیں دی گئیں۔

کرنل جانسن نے ہنٹر کمیٹی کے سامنے اقرار کیا کہ دھرم کالج کے اساتذہ اور طلبا کو تین میل روزانہ کر دن بھر دھوپ میں اس لیے کھڑا رکھا گیا کہ وہاں مارشل لا کا پوسٹر پھاڑ دیا گیا تھا۔ ان سے جب یہ پوچھا گیا کہ کیا آپ نے کچھ طلبا کو، اپیل دوپہر کی دھوپ میں پیدل چلایا تو انھوں نے احتجاج کیا۔ "جی نہیں! سولہ میل"!

ملک محمد حسین نے تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بیان کیا کہ ایک فوجی افسر نے انھیں مارا۔ اپنے آپ کو بچانے کے لیے انھوں نے اس کی ضرب ہاتھ پر روکی، اس جرم میں وہ گرفتار کر لیے گئے۔ اور انھیں کوڑے لگائے گئے۔

میاں اللہ بخش کا بیان ہے کہ جب مجمع عام میں بید کی سزا دی جاتی تھی، تو انگریز خوش ہو ہو کر چیختے تھے "اور مارو"، "زیادہ زور سے کوڑا لگاؤ"۔ اور انگلش لیڈیاں مسکرا کر سزائے تازیانہ

ہانے والوں کی چیخیں سنتی تھیں۔

قصور کے قریب ایک بارات کی بارات پکڑ لی گئی کہ اس نے کرفیو توڑا تھا، اور سب کو سزائے تازیانہ دی گئی۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وحشیانہ اور ظالمانہ سزائیں دینے میں مصروف جنرل ڈائر ہی فردِ فرید نہیں تھے۔ ان کے رفقا بھی ان سے کم نہ تھے۔

اور ایسا ہوتا بھی کیوں؟ درخت اپنے پھل ہی سے تو پہچانا جاتا ہے!

ڈائر کا حشر

امرت سر میں گولی چلا کر ڈائر نے بہت بڑی خدمت انجام دی تھی
انسانیت کی نہیں، برطانوی سامراج کی!
اور اس خدمت کے صلے میں اسے اپنی قوم کی طرف سے تبریک و تحسین کے خلوص اور محبت بھرے ہوئے تحفے بھی ملے۔

کانگرس کی تحقیقاتی کمیٹی نے جلیاں والا باغ کے حادثے کو اثرات و نتائج کے اعتبار سے "ڈرامائی اور حیکرا دینے والا" قرار دیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ڈائر کے اقدام نے شورش پیدا کی یا کسی بغاوت کو کچلا؟ سر مائیکل اوڈائر نے اس شورش کا سلسلہ جنگِ افغانستان کے سلسلہ مئی ۱۹۱۹ء سے ملایا ہے۔ ان کے خیال میں یہ ایک منظم سازش تھی جس کا مقصد افغان حملہ آوروں کا استقبال کرنا تھا۔ یہ "ماسٹر پلان" ڈائر نے ناکام بنا دیا۔

لیکن جیسا کہ خود اوڈائر نے بتایا ہے ہنٹر کمیٹی نے پنجاب کی شورش اور حملہ افغانستان میں کسی طرح کا ربط ماننے سے انکار کر دیا۔

ڈائر کے سراغ نگار مسٹر کولون (Colvin) کا بیان ہے کہ ڈائر مئی ۱۹۱۹ء میں

جنگ افغانستان سے جب کامیاب واپس آیا تو کمانڈر انچیف سر چارلس مونرو (MONRO)
نے مبارک باد دی، جس میں اس کے امرت سر کے اقدام پر کسی طرح کی بداعتمادی کا اظہار نہیں تھا۔
چونکہ اس کی قسمت خراب تھی۔ لہٰذا سر چارلس مونرو نے اسے دس دن کی چھٹی دے کر تبادلۂ آب و
ہوا کے لیے ڈلہوزی جانے کی اجازت دے دی۔

۲ر اگست کو ڈائر کو شملہ میں طلب کیا گیا جہاں سر چارلس مونرو نے اسے حکم دیا کہ وہ امرتسر سے متعلق ایک تحریری رپورٹ پیش کرے، اس سے اس کے دل میں کوئی شبہہ نہیں پیدا ہوا کیونکہ پارلیمنٹ میں بیان دیتے ہوئے وزیر ہند مسٹر مانٹیگو نے بھی پنجاب کی شورش کو "بغاوت" سے تعبیر کیا تھا لیکن ساتھ ساتھ آگ ٹھنڈی ہو جانے کے بعد فائرنگ کی تحقیقات کا وعدہ بھی کیا تھا۔

ڈائر اس کا تصوّر بھی نہ کر سکتا تھا کہ فائرنگ کے اقدام کو ایک طرف تو سراہا جائے گا، دوسری طرف اسے اور اس کے ساتھیوں کو تحقیقاتی کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ مسٹر کولون کے تاثرات ہیں، وہ مزید کہتے ہیں۔

بہر حال اپنے اقدام و عمل پر مطمئن، ڈائر شملہ سے ڈلہوزی پہنچا اور رپورٹ تیار کرنا شروع کر دی، ڈائر کو پتہ بھی نہیں تھا کتنے طاقتور عناصر اس کے خلاف مصروفِ جہد و عمل ہیں۔

مسٹر لیونارڈ میوسلے نے اپنی کتاب "برطانوی راج کے آخری دن" میں لکھا ہے،

> 'پنجاب میں مارشل لا جس طرح نافذ ہوا اور جس طرح سینکڑوں جانیں ضائع ہوئیں اس نے ان لوگوں کو بھی جو برطانیہ کے دل سے وفادار تھے بدگمان کر دیا اور وہ سمجھنے لگے کہ ان کی جان کتنی بے وقعت ہے وہ بھیڑ بکری کی طرح ہر وقت اپنے آقاؤں کے ہاتھوں ذبح کیے جا سکتے ہیں۔ اس المیہ نے کانگرس میں ان لوگوں کو بھی پہنچا دیا جو کبھی ادھر کا رُخ بھی نہیں کرتے تھے۔

یہ بات حکومت برطانیہ اور حکومت ہند نے بھی محسوس کر لی۔ چنانچہ عوامی جذبات کو ٹھنڈا

کرنے اور روٹھے ہوؤں کو منانے کی تدبیریں سوچنی پڑیں، پھر یہ بات بھی تھی کہ " مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات سیاسی" کے نفاذ کا وقت قریب آ رہا تھا جس کے لیے ہندوستانیوں کا تعاون درکار تھا۔

جنرل ڈائر نے ڈلہوزی میں اپنی رپورٹ تیار کی۔ اس نے رپورٹ میں وہی باتیں لکھیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ڈائر نے اپنی رپورٹ میں اور بھی بہت سی باتیں لکھی تھیں۔ مثلاً :-

" ہم میں شجاعت خوف کی شدت ہی پیدا کرتی ہے۔ میں نے اسی نقطۂ نظر سے صورت احوال کا جائزہ لیا۔ میرے فرض اور فوجی جبلت کا تقاضا یہ تھا کہ بے تأمل گولی چلا دوں ایسا نہ کرتا تو ہماری حکومت ختم ہو جاتی۔ اور ڈنڈا راج صوبے میں قائم ہو جاتا۔ سوال صرف یہی نہیں تھا کہ خلاف قانون مجمع منتشر کیا جائے۔ بلکہ فوجی نقطۂ نظر سے ضروری تھا کہ حاضرین ہی کو نہیں، اُن کے باہر کے ہمنواؤں اور ہم خیالوں کو بھی سبق دیا جائے لہٰذا ناواجب تشدد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ چنانچہ میرے اس اقدام کی تعریف و توصیف میں باشندگانِ پنجاب کی بڑی تعداد رطب اللسان تھی جو ہزارہا ہزار پر مشتمل تھی۔ میرے اس اقدام میں تعجیل کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میرے پاس سپاہی کم تھے۔ اگر میں مجمع کو سنبھلنے کا موقع دیتا تو ہم خود جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے اور پھر سارا ہندوستان آگ اور خون کی لپیٹ میں آ جاتا۔ انگریزی مجسٹریٹوں میونسپل کونسلروں اور شہر کے دوسرے سربرآوردہ لوگوں اور تاجروں نے میرے اقدام کی مدح و تحسین کی اور کہا کہ اس طرح میں نے نہ صرف امرتسر کو نہ صرف پنجاب کو بلکہ سارے ہندوستان کو مکمل تباہی اور خوں ریزی سے بچا لیا۔"

اپنی رپورٹ میں ڈائر نے مزید لکھا :-

" ۸ مئی کو بسلسلۂ جنگ افغانستان میں پشاور پہنچا۔ اگر اپریل میں امرتسر اور پنجاب کا امن میں نے بزور قوت قائم نہ کر دیا ہوتا تو مواصلات کا سلسلہ یکسر منقطع ہو چکا ہوتا۔"

ڈائر نے یہ رپورٹ شملہ بھیج دی۔ اور حالات کا انتظار کرنے لگا وہ مطمئن اور بے فکر تھا۔

وہ ایک ہیرو بن چکا تھا جس نے پنجاب کو بچالیا اور ہندوستان کو ایک دوسرے غدر سے محفوظ رکھا۔

اُس نے ثابت کردیا تھا کہ لاکھوں نہتّے لوگ مٹھی بھر مسلّح سپاہیوں کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔

طوفان کی آمد آمد

ڈائر اپنی جگہ مطمئن تھا،

اسے اپنے کارناموں پر فخر تھا!

وہ انعام کا متوقع تھا!

لیکن حالات رفتہ رفتہ تبدیل ہو رہے تھے۔

آسمان کی گردش ایک نئے اور شاید ہولناک بھی ــــ طوفان کی آمد آمد کا پتہ دے رہی تھی!

اکتوبر ۱۹۱۹ء کو حکومت کی طرف سے لارڈ ہنٹر کی صدارت میں تحقیقاتی کمیٹی قائم ہوئی جس کے سات ممبروں میں ایک مسلمان صاحبزادہ (سلطان احمد[۵]) منتظم الدولہ ایم اے کینٹب. بیرسٹر ایٹ لا، وزیر حکومت گوالیار، دو ہندو اور چار انگریز تھے۔

اسی اثناء میں ڈائر اپنی ڈیوٹی پر واپس آگیا۔ اور راولپنڈی کے قریب چک لالہ میں متعین ہوا۔

ایک ماہ کے بعد اسے پشاور تبدیل کرکے جمرود بھیج دیا گیا جس سے اس نے یہ نتیجہ ــــ بقول اس کے سوانح نگار مسٹر کولون کے ــــ نکالا کہ کمانڈر انچیف کو نہ صرف اس پر اعتماد ہے بلکہ وہ اس کے

---

۵ یہ صاحبزادہ آفتاب احمد کے بھائی تھے اور مہاراجہ گوالیار کے وزیر اور معتمد خصوصی۔ (مترجم)

مشکور بھی ہیں۔

مرکزی مجلس قانون ساز میں ڈائر کے اس اقدام کے خلاف بڑی لے دے ہوئی۔

لیکن ڈائر کے افسرِ اعلیٰ اور پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر، نیز سرکاری حکام کی طرف سے برابر اس کے اقدام عمل کو سراہا جاتا رہا اور اس کے گن گائے جاتے رہے کہ یہ وہی تھا جس نے ہندوستان کو ایک نئے غدر سے محفوظ رکھا تھا۔ اور پنجاب میں بغاوت برپا نہیں ہونے دی تھی۔

جب تحقیقاتی کمیٹی مقرر ہوئی تو بھی اسے اطمینان دلایا گیا کہ اس کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کا ریکارڈ بالکل صاف ہے۔

قاتل کی سراسیمگی

بے شک ڈائر نے جو کچھ کیا تھا، اس کی تائید میں وہ اپنے پاس دلائل کا انبار بھی رکھتا تھا۔ اور اس کا خیال تھا کہ ان دلائل کے قبول کرنے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، ان کا توڑ کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔

لیکن جب وہ حکومت کی قائم کی ہوئی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے پیش ہوا تو اس پر سراسیمگی کی کیفیت طاری ہو گئی، وہ حوصلہ ہار گیا!

ہنٹر کمیٹی نے دہلی میں آٹھ دن تک شہادتیں قلمبند کیں۔ ۲۹ دن اس نے لاہور میں صرف کیے اور تین دن بمبئی میں۔ سر مائیکل او ڈائر، جنرل ہڈسن اور سر عمر حیات خاں[۱] نے جو حکومت پنجاب کے پُر جوش حامی تھے بند کمرے میں گواہی دی لیکن ان پر جرح پبلک طور پر ہوئی۔

۹ نومبر کو جنرل ڈائر کو کمیٹی کا سامنا لاہور میں کرنا پڑا لیکن اس موقعہ پر حالات اتنے بدل چکے تھے کہ وہ بے یار و مددگار تھا۔ بقول اس کے سوانح نگار کے نہ کوئی دوست تھا نہ کوئی وکیل۔

جنرل بیٹن تک کسی حد تک مذبذب ہو چکے تھے جو اس کے افسر اعلیٰ تھے۔ پھر بھی انھوں نے

---

[۱] یونینسٹ پارٹی کے لیڈر ملک سر خضرت حیات خاں ٹوانہ سابق پنجاب کے والد ماجد۔ (مترجم)

اس سے کہا:-

"کمیٹی کے سامنے بیان دیتے وقت محتاط رہنا۔ سچ بولنا، بحث و گفتگو میں نہ اُلجھ جانا۔ تمھیں بڑے ماہر اور زبردست تین ہندوستانی قانون دانوں سے مقابلہ کرنا ہے۔"

ڈائر نے جواب دیا۔

"مجھے کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہے۔"

اور یہ کہہ کر وہ کمیٹی روم میں چلا گیا۔

اسے وکیل کر لینے کا مشورہ بھی دیا گیا تھا لیکن اس نے اپنے کیس کی خود پیروی کرنے کو ترجیح دی۔

جنرل ہنٹن کی رائے میں یہ تحقیقاتی کمیٹی نہ تھی، احتساب کمیٹی تھی۔

سر مائیکل اوڈائر نے گواہی دینے کے بعد کہا۔

"میرے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو ایک مجرم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔"

ڈائر نے کمیٹی کے سامنے جو تحریری بیان پیش کیا وہ اضطرابِ فکر کا آئینہ دار تھا اُس کی سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اس کا شریک کار برگس جو ہر مرحلے میں ساتھ تھا بیمار پڑا تھا اس سے کوئی مدد نہیں لی جاسکتی تھی اور جب جرح کا وقت آیا تو کمیٹی کے ہندوستانی ممبروں نے اس سے کئی ایسی باتیں اگلوالیں جو اُس کے اور اُس کے بیان کے خلاف پڑیں

سر چمن لال ستیلواد نے سوال کیا۔

"آپ اپنے ساتھ دو آرمرڈ کاریں لے گئے تھے؟"

"جی ہاں جناب!"

"یہ کاریں مشین گنوں سے لیس تھیں؟"

"جی ہاں جناب"

"اور آپ کا یہ ارادہ تھا کہ اُن مشین کو مجمع پر استعمال کریں گے؟"

"جی ہاں ۔ بشرطِ ضرورت!"

"جب آپ جلسہ گاہ پر پہنچے تو اپنی آرمرڈ کاریں اندر نہ لے جا سکے کہ راستہ تنگ تھا۔ کیا واقعی؟"

"جی"

"فرض کیجئے راستہ فراخ ہوتا اور آپ آرمرڈ کاریں ساتھ لے جا سکتے تو آپ مشین گن سے فائرنگ کرتے نا!"

"یقیناً"

"اس صورت میں مقتولین و مجروحین کی تعداد بہت زیادہ ہوتی"

"بلاشبہ"

"اور آپ گنیں صرف اس لیے نہ استعمال کر سکے کہ راستہ تنگ تھا؟"

"یہی سمجھ لیجئے"

"آپ مشین فوراً جھونک دیتے"

"جی ہاں"

"کیا آپ کا اس اقدام سے یہ مدعا نہیں تھا کہ نہ صرف امرت سر کو بلکہ پورے پنجاب کو دہشت زدہ اور ہراساں کر دیں؟"

"میرے مدعا کے لیے جو الفاظ چاہیئے استعمال کیجیے، بہر حال میں باغیوں کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتا تھا!"

"کیا برطانوی راج خطرے میں پڑ گیا تھا؟"

"جی نہیں، برٹش راج بہت طاقتور ہے اسے کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا، مَیں تو صرف یہ چاہتا تھا غدر برپا نہ ہو"

ڈائر پر جرح کے ایسے پھندے ڈالے گئے کہ اسے یہ اقرار بھی کر لینا پڑا کہ جو لوگ زمین

پر بیٹھے یا لیٹے گئے تھے ان پر بھی اس نے فائرنگ کرائی اور زخمیوں کی امداد کا کوئی بندوبست

اس نے نہیں کیا

پھر ڈائر کو پنڈت جگت نرائن[1] کی جرح کا سامنا کرنا پڑا۔

جگت نرائن نے ایسے تابڑ توڑ سوالات کیے کہ ڈائر کو تسلیم کرنا پڑا کہ ۱۰ اپریل کے بعد

امرت سر میں کوئی بلوہ یا ہنگامہ نہیں ہوا تھا جس سے لازمی تاثر یہ پیدا ہوا کہ ۱۳ اپریل کو

اس نے جو فائرنگ کی وہ سراسر ناواجب اور غیر ضروری ہے۔

صاحبزادہ سلطان احمد خاں کی جرح اور پے در پے سوالات سے بھی ڈائر کو وہ باتیں ماننا

پڑیں جو اس کے خلاف جاتی تھیں۔

اس نے بہت سے ایسے اعتراف کیے جو اس کے لیے نقصان دہ تھے۔

اس نے اعتراف کیا کہ وہ فائرنگ کے بغیر بھی مجمع منتشر کر سکتا تھا لیکن اگر ایسا کرتا تو

ہدف استہزا بن جاتا۔

اس نے یہ اقرار بھی کیا کہ اس نے جو منادی کرائی تھی وہ سب لوگوں تک نہیں پہنچ سکی۔

اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ بغیر وارننگ کے اس نے فائرنگ کی اور دس منٹ تک جاری رکھی

کیوں کہ مقصد سبق دینا تھا، وحشت پیدا کرنا تھا۔

وہ اس سے بھی انکار نہ کر سکا کہ فائرنگ اس نے مجبور ہو کر نہیں کی بلکہ عمداً کی۔

کانگرس تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ

ڈائر پھر جالندھر واپس آ گیا

دل گرفتہ، بدحواس، سراپا اضطراب!

اس کی بیوی سخت بیمار تھی

---

[1] بعد میں اودھ چیف کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔

اس کا محبِ صادق کیپٹن برگس وفات پا چکا تھا۔
خود ڈائر یرقان اور گٹھیا میں مبتلا تھا۔
عمر کی ۵۵ منزلیں اس نے بڑی شان سے طے کر لی تھیں۔ اور اب!
اس نے انگلستان جانے کے لیے چھ مہینے کی رخصت طلب کی۔ لیکن کمانڈر انچیف نے یہ درخواست مسترد کر دی، ساتھ ہی ساتھ اسے ۳۰ رجنوری ۱۹۲۰ء کو دوسرا حکم ملا جس کی رو سے اسے ایک ڈویژن کا کمانڈر بنا دیا گیا تھا۔ ہنٹر کمیٹی کے سامنے پیش ہونے کے دو مہینے بعد یہ ترقی عطا ہوئی جس سے اس کے حامیوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فوجی ہائی کمان کو اس پر اعتماد کامل ہے۔

لیکن فروری میں یہ ترقی ختم ہو گئی۔

۳۰ رجنوری اور ۱۴ فروری ۱۹۲۰ء کے درمیان اس تغیر احوال کے اسباب کیا تھے؟
کمانڈر انچیف ان سوالات کی تاب نہ لا سکا جو المیہ امرت سر کے بعد ڈائر کی ترقی سے متعلق اس سے کونسل میں کیے گئے تھے [1]
حکومت ہند ملک میں سیاسی اصلاحات (مانٹیگو چیمسفورڈ فارمس) کو کامیاب بنانے پر تلی ہوئی

---

[1] وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے دوسرے ممبروں کی طرح کمانڈر انچیف بھی مرکزی مجلس قانون ساز میں اپنے محکمہ سے متعلق سوالات کا جواب دیتا تھا۔ یہ سلسلہ کم و بیش ۱۹۲۹ء تک جاری رہا۔ پھر ایک مرتبہ وٹھل بھائی پٹیل (سردار پٹیل کے بھائی) نے جو صدر مجلس قانون ساز تھے کمانڈر انچیف کو پھٹکارا، جس سے وہ بہت برافروختہ ہوا لیکن جب مسٹر پٹیل نے کئی مرتبہ بہ حیثیت صدر کے اس کی نخوت کو للکارا تو وہ تاب نہ لا سکا اور اس نے اجلاس میں شرکت ترک کر دی، البتہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں بحیثیت ممبر کے شریک ہوتا رہا۔ پھر انڈیا ایکٹ ۱۹۳۶ء کے ماتحت اسے نہ کونسل سے سروکار رہا، نہ اسمبلی سے!

(مترجم)

تھی۔ کچھ اس لیے اور کچھ پریس کی بے محابا نکتہ چینی سے متاثر ہو کر اس نے ڈائر سے متعلق اپنا رویہ بدل دیا

اب ڈائر بالکل تنہا تھا۔ بے یار و مددگار! کوئی اس کا پشت پناہ تھا، نہ ثنا خواں۔
وہ جالندھر کے ہسپتال میں بستر علالت پر دراز تھا۔ اور نئے حالات کا متوقع اور منتظر۔
کہ ۹ مارچ کو کمانڈر انچیف نے اسے دہلی طلب کر لیا لیکن ڈاکٹر نے سفر کی اجازت نہ دی۔
۲۲ اپریل کو پھر بذریعہ تار اسے طلب کیا گیا اور کمانڈر انچیف نے اسے حکم سنا دیا کہ وہ اپنے اعزاز سے محروم کیا جاتا ہے کیونکہ ہنٹر کمیٹی نے اس پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے۔
ہنٹر کمیٹی نے ڈائر کے خلاف جو فرد جرم تیار کی تھی، اس کے دو پہلو سب سے زیادہ اہم تھے۔

ایک تو یہ کہ اس نے بغیر انتباہ کے فائرنگ کی۔
دوسرے یہ کہ بھاگتے ہوئے لوگوں پر بھی دس منٹ تک فائرنگ جاری رکھی۔
اس کا ایک اور جرم کمیٹی کے نزدیک یہ تھا کہ اس نے ہنگامی حالات کا اعلان کیے بغیر یہ سب کچھ کیا۔
حکومت ہند نے بھی ہنٹر کمیٹی کے ان الزامات کو قبول کرتے ہوئے ڈائر کو مورد عتاب قرار دیا۔
ہنٹر کمیٹی نے دہلی، احمد آباد، وزیا نگرم، لاہور، قصور، گوجرانوالہ اور امرت سر میں جو فائرنگ کی گئی تھی، حق بجانب قرار دیا۔ لیکن جلیانوالہ باغ کی فائرنگ کو مجرمانہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں ڈائر کے علاوہ دوسرے فوجی افسروں پر بھی نکتہ چینی کی۔
انڈین نیشنل کانگرس کی تحقیقاتی کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۲۰ فروری سنہ ۱۹۲۰ کو شائع کی جس میں جلیانوالہ باغ کے قتل عام کو معصوم بے گناہ اور نہتے لوگوں کے خلاف غیر انسانی اقدام قرار دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ ڈائر کے خلاف مقدمہ چلایا جائے، اور وائسرائے کو برخاست

کر دیا جائے۔

یہ رپورٹ ڈائر کی برطرفی کے ایک ماہ قبل شائع ہوئی تھی۔

چرچل نے ڈائر کو چلتا کر دیا

انگریز قوم نے چرچل سے بڑا اسامراج پرست شخص شاید کوئی نہیں پیدا کیا۔ وہ برطانوی سلطنت کی حفظ وبقاء کے لیے ساری دنیا کو قربان کر سکتا تھا۔ ڈائر کو چرچل نے تمام حربے استعمال کر کے برطرف کرا کے دم لیا۔ شاید برطانوی سامراج کا بھلا اسی میں نظر آتا تھا۔

۲ مئی کو ڈائر انگلینڈ پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے ملٹری سیکرٹری کو خط لکھا، کہ اس کے اقدام فائرنگ پر آرمی کونسل میں غور کیا جائے .... اور اجازت دی جائے کہ وہ خود اپنا کیس پیش کرے۔ اور مناسب سمجھے تو کسی وکیل کو بھی اپنے ساتھ لائے۔

فیلڈ مارشل سرہنری ولسن، چیف آف امپریل جنرل سٹاف کی ڈائری ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی ہے، ڈائری میں مرقوم ہے:۔

"ڈائر کا کیس مجلسِ وزارت کے سامنے پیش ہوا، وزیر جنگ مسٹر چرچل نے ۴ مئی کو یہ کیس آرمی کونسل میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ کابینہ نے اور انھوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ڈائر کو فوجی ملازمت سے برخاست کر دیا جائے، آرمی کونسل کو اس فیصلے سے اتفاق کرنا چاہئے، لیکن میری تجویز پر یہ مسئلہ دوسری میٹنگ تک کے لیے ملتوی ہو گیا۔ دوسری میٹنگ میں مسٹر چرچل نے کہا، کابینہ کا قطعی فیصلہ ہے کہ ڈائر کو برخاست کر دیا جائے، لیکن میری تجویز پر یہ مسئلہ تیسری میٹنگ پر ملتوی ہو گیا، چرچل نے مان لیا کہ سردست کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ لیکن یہ بھی کہہ دیا کہ کابینہ کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ ڈائر کو رخصت کر دیا جائے۔

۲۷ رمئی کو حکومت نے سرکاری طور پہ ڈائر کے اس اقدام کی مذمت کی مسٹر مانٹیگو نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا :-

جس موقع پر کم سے کم طاقت استعمال کر کے کام نکالا جا سکتا تھا، زیادہ سے زیادہ طاقت استعمال کی گئی جو فوجی نقطۂ نظر سے بھی ناواجب اقدام ہے۔

لیکن برطانوی عوام اور اخبارات کے بڑے طبقہ نے ڈائر کو سزاوار تحسین و آفرین اور اس کے اقدام کو سراسر برمحل اور موزوں قرار دیا۔

ہندوستان کے انگریزی اخبارات نے بھی ڈائر کی پُرزور حمایت کی، اسٹیٹسمین تو سب سے آگے تھا۔

ڈائر اس وقت دوراہے پہ کھڑا تھا۔ ایک طرف زندگی تھی اور ایک طرف "موت"!

آرمی کونسل کا فیصلہ

چرچل میں ایک بات ضرور تھی!

وہ جس بات کو صحیح اور درست سمجھ لیتا تھا اسے منوانے کے لیے، سر دھڑ کی بازی لگا دیتا تھا۔

برطانیہ کی رائے عامہ ڈائر کے ساتھ تھی، لیکن چرچل کا فیصلہ تھا کہ اسے سزا ملنی چاہیے۔

اور یہ فیصلہ بحال رہا۔

ڈائر کی برطانیہ کے عوام اور اخبارات نیز ہندوستان کے انگریز اخبارات کے مداحانہ رویہ سے ہمت بڑھ گئی۔ اس نے آرمی کونسل میں باقاعدہ اپنا مقدمہ پیش کیا اور بیان صفائی میں ہنٹر کمیٹی کو موردِ الزام قرار دیا اور تفصیل کے ساتھ اپنے اقدام کو موزوں، مناسب اور برمحل قرار دیا۔

۷ رجولائی کو آرمی کونسل کے فیصلہ کا وزیر جنگ مسٹر ونسٹن چرچل نے اعلان کیا، جو یہ تھا:-

" ڈائر نے فیصلہ کرنے میں غلطی کی اور اسے نصف تنخواہ پنشن پر سبکدوش کیا جاتا ہے۔

اس تصریح کے ساتھ کہ اب کوئی فوجی منصب اسے نہیں دیا جا سکتا۔

حکومت کے اس فیصلہ کو برطانوی عوام نے پسند نہیں کیا۔ ووٹنگ پارٹی لائن پر ہوئی حکومت نے اس فیصلہ کی تصدیق تو کرا لی لیکن ۱۲۹ ممبروں نے اس کے خلاف رائے دی۔

اخبار مارننگ پوسٹ نے "نجات دہندہ ہند" کے لیے ایک فنڈ کھولا، اور بہت مختصر مدت میں ۲۶۳۱۷ پونڈ جمع کر لیے۔

ایک برطانوی جج نے اس مسئلہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا۔

"ڈائر کا اقدام بالکل درست تھا اور اسے بہت غلط طریقے پر سزا دی گئی"۔

پارلیمنٹ کے بعد مجلس امراء (ہاؤس آف لارڈس) میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا، یہاں ڈائر کے طرف دار بہت تھے۔

لارڈ مسٹن نے ڈائر کی حمایت میں طویل تقریر کی۔

مجلس امراء میں جب اس معاملے پر رائے شماری کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس کی حمایت میں جن لوگوں نے رائے دی، ان میں ۸ ڈیوک، ۶ مارکوئیس، ۳۱ ارل، ۱۰ وائکاونٹ، ۴۷ بیرن تھے اس طرح یہاں کافی اکثریت سے ڈائر کے حق میں فیصلہ ہوا۔

لیکن اس فیصلہ نے سارے ہندوستان میں کھلبلی مچا دی، ایک مرتبہ پھر برطانوی راج کی سفاکی اور برطانیہ کی استعماریت اور اس کی سامراجی ذہنیت کے خلاف زہر اگلا جانے لگا۔

برطانیہ کے عوام اور خواص کا بہت بڑا طبقہ ڈائر کے ساتھ تھا۔

جج کا یک طرفہ فیصلہ

قومی تعصب عدل و انصاف کے علم برداروں کو بھی جادۂ انصاف سے منحرف کر دیتا ہے۔

برطانوی قوم کو اپنی جن چیزوں پر بہت زیادہ فخر و ناز ہے، ان میں ایک یہ چیز بھی ہے کہ وہ عدل و انصاف کا راستہ کسی حالت میں ترک نہیں کرتی۔ یہ دعویٰ یقیناً سچا اور درست ہے۔ لیکن اگر قومی مفاد، اور انصاف میں تصادم ہو رہا ہو تو اسے انصاف کو ترک

کردینے بلکہ اسے الوداع کہہ دینے میں کو تامل نہیں ہوتا ،

ڈائر کے سوانح نگار کا بیان ہے کہ :-

نومبر ۱۹۱۱ء میں ڈائر پر فالج کا پھر کارونری تھرامبوسس کا حملہ ہوا۔ وہ بہت زیادہ کمزور اور نحیف ہوگیا، یہ بیماری شرائین کی سختی کا نتیجہ تھی جس کے باعث خوالی قلب و دماغ میں خون کی روانی سُست پڑ گئی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جلیانوالہ باغ میں ڈائر نے جو فائرنگ کی تھی وہ اس کی اعصابی کشیدگی کا نتیجہ تھی۔ ۱۹۲۴ء میں بھی وہ اتنا زیادہ علیل تھا کہ سر مائیکل او ڈائر نے سر سنکرن نائر کے خلاف ازالہ حیثیت عُرفی کا جو مقدمہ دائر کیا تھا اس میں وہ بطور گواہ نہ پیش ہو سکا۔ سر سنکرن نائر نے اپنی ایک کتاب "گاندھی اور انارکی" میں ڈائر اور او ڈائر کی سخت خبر لی تھی،

اس مقدمہ کا فیصلہ صادر کرتے ہوئے مسٹر جسٹس میکارڈی (Mecardie) نے ڈائر کے بارے میں فرمایا :-

"میرا خیال ہے، اور تمام شہادتوں اور حالات کو سامنے رکھ کر میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ نہایت نازک اور غیر معمولی حالات میں جنرل ڈائر نے جو کچھ کیا بالکل درست تھا۔ اور میری رائے میں اسے نہایت غلط طریقے پر سزا دی گئی۔ یہ میرا نقطہ نظر ہے۔ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان تمام حالات کا جائزہ لے کر اور ان تمام تفصیلات کو سامنے رکھ کر جو ہنٹر کمیٹی کے روبرو نہیں پیش ہوئیں۔ میں نے یہ رائے قائم کی ہے۔"

"یہ فیصلہ سُن کر — سر او ڈائر کا بیان ہے — عدالت کے جملہ حاضرین پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور یہ محسوس کیا جانے لگا کہ پانچ سال کی مظلومیت کے بعد آخر کار حق کو فتح نصیب ہوئی، برطانوی انصاف ظفر مند ہوا، اور ایک بدترین غلطی کی تلافی ہوگئی لیکن یہ سب کچھ

بہت بعد از وقت ہوا، جنرل ڈائر کی صحت برباد ہو چکی ہے۔ وہ اب ایک خستہ اور درماندہ انسان ہے!"

ڈاکٹر نے ڈائر کی بیوی کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے لب گور شوہر کو یہ خوشخبری سُنا دے۔

اس مسئلہ کو پھر پارلیمنٹ میں اٹھانے کی کوشش کی گئی لیکن مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھانے سے انکار کر دیا۔

ڈائر کی موت اوڈائر کا قتل

۲۳ر جولائی ۱۹۲۷ء کو جنرل ڈائر کا انتقال ہو گیا۔

سر مائیکل اوڈائر جو ڈائر کے سب سے بڑے مربی اور قدر شناس تھے، ۲۱ سال بعد ۱۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو ایک قاتل کی گولی کا نشانہ بنے۔

قاتل کا نام اودھم سنگھ تھا۔

اس کی دوسری گولی نے وزیر ہند لارڈ زٹلینڈ کو زخمی کیا۔ بمبئی کے سابق گورنر لارڈ لیمنگٹن اور سر لوئیس ڈین سابق لفٹیننٹ گورنر پنجاب کو بھی زخم پہنچے۔

یہ واقعہ لندن کے کاکسٹن ہال میں پیش آیا، جہاں ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن اور رائل سنٹرل ایشین سوسائٹی کی طرف سے ایک جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں شرکت کے لیے یہ حضرات تشریف لائے تھے، قاتل گرفتار کر لیا گیا۔

اودھم سنگھ نے عدالت میں بیان دیا:۔

۱۹۱۹ء میں میری عمر سولہ سال کی تھی، امرتسر کی فائرنگ مجھے اب تک یاد ہے میں اس شخص (اوڈائر) سے نفرت کرتا تھا یہ قتل کا مستحق تھا، میں اپنے ملک کے لیے جان دے رہا ہوں۔

قاتل کو سزا ملی اور وہ پھانسی چڑھا دیا گیا، اس کے وکیل نے اس مقدمے پر تبصرہ

کرتے ہوئے کہا:۔

"دنیا کے کسی ملک میں ایسے نازک مرحلے پر جبکہ ڈنکرک سے برطانوی افواج افراتفری کے عالم میں پسپا ہو رہی تھیں۔ اتنے بڑے دشمنِ ملک اور دشمنِ شہنشاہیت کو اس طرح کی قانونی مراعات اور سہولتیں نہیں دی جا سکتی تھیں جیسی اودھم سنگھ کو دی گئیں"!

کوئی شبہ نہیں کہ دعویٰ بالکل صحیح ہے۔

لیکن کیا یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ دنیا کے کسی ملک نے ان محکوموں پر جو ہمیشہ اسے خوش آمدید کہتے رہے اور ترقی اقبال و دولت کی دعائیں دیتے رہے۔ ایسے بھیانک اور روح فرسا مظالم نہیں کیے ہوں گے جیسے انگریزوں نے ہندو پاکستان کی بے ضرر اور امن پسند اور وفادار رعایا پر کیے!

بیدل:۔ خواجہ عباداللہ اختر

مرزا عبدالقادر بیدل کے کلام کی ایک جھلک۔

صفحات ۴۷۹ —— ۷/۵۰ روپے

حکمت رومی:۔ خلیفہ عبدالحکیم

معنویت اور ادب و انشاء کی بلندی کے لحاظ سے اردو ادب کا زندہ جاوید کارنامہ

صفحات ۲۵۷ —— ۳/۵۰ روپے

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ —— لاہور

غزل

شاعر لکھنوی

لب پہ آنا تھا نہ آنکھوں سے رواں ہونا تھا
آپ کے غم کو تو آرائشِ جاں ہونا تھا

شوخیِ گل کی طرح تجھ کو عیاں ہونا تھا
رنگ کو شرح تو خوشبو کو بیاں ہونا تھا

ہم بھی بیٹھے تھے کسی پھول کی خوشبو کے لیے
اس طرف بھی تو نسیم گزراں ، ہونا تھا

جانے کیا ہے کہ پشیماں سی گذر جاتی ہے
وہ نظر جس کو حریفِ دل و جاں ہونا تھا

اُڑ گیا بن کے دُھواں فاصلۂ ہجر و وصال
اس قدر آپ کو نزدیک کہاں ہونا تھا

زیست دشواریٔ منزل کا ہے نام اے شاعر
راہ میں ایک نہ اِک سنگِ گراں ہونا تھا